روزوں کی برکات اور ہمارے فرائض

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ / جون ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ
اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ
فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرۃ: ۱۸۴-۱۸۷)

اور پھر فرمایا:

یہ جمعہ جو ہم آج پڑھ رہے ہیں یہ رمضان شریف سے پہلے آخری جمعہ ہے اور انشاء اللہ آئندہ جمعہ رمضان المبارک کے ایام میں آئے گا اس لئے آج کے خطبے کے لئے میں نے وہ آیات چنی ہیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن میں روزہ رکھنے سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں اور اس کے فوائد سے آگاہ کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہ بتاتا ہے کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ پڑھنے والا یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ دیکھو، ہم صرف تم پر ہی سختی نہیں کر رہے بلکہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی کافی سختی ہوئی تھی اس لئے جہاں وہ بے چارے روزوں میں پکڑے گئے وہاں تم بھی پکڑے جا رہے ہو، تو کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن یہ مفہوم ہرگز یہاں مراد نہیں ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے پہلوں کو بھی ایک نعمت عطا کی تھی۔ تم اس رسول کے ماننے والے ہو جس نے نعمتوں کو تمام کر دیا اور درجہ کمال تک پہنچا دیا اس لئے تمہارا زیادہ حق بنتا ہے کہ ہم یہ نعمت تمہیں عطا کریں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کیونکہ روزوں کا نتیجہ تقویٰ ہے اور تقویٰ کی تعلیم سب سے زیادہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی اس لئے ضرور تھا کہ پہلوں سے زیادہ شان کے ساتھ تم پر روزے فرض کئے جاتے۔

مِنْ قَبْلِكُمْ میں قرآن کریم اس طرف بھی اشارہ فرما رہا ہے کہ کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جس میں روزے فرض نہ کئے گئے ہوں اور تاریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا اس مضمون پر لکھتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو روزے کے تصور سے خالی رہا ہو (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا زیر لفظ Fasting)۔ یہ تحقیق اگر چہ آج کے زمانہ میں آسان ہے کیونکہ ساری دنیا کے مختلف تاریخی حالات مجتمع ہو چکے ہیں اور کتابی صورتوں میں انسان کی دسترس

میں آ چکے ہیں مگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جب یہ بتایا جا رہا تھا تو دنیا کے مذاہب کی بھاری اکثریت ایسی تھی جن کے متعلق آنحضرت ﷺ کو اطلاع پانے کو کوئی بھی ذریعہ میسر نہیں تھا اس لئے سب سے پہلے تو توجہ اس طرف منعطف ہوتی ہے کہ عجیب شان کا رسولؐ ہے اور عجیب شان کا کلام اس پر نازل ہو رہا ہے کہ ساری دنیا کے متعلق ایک ایسا دعویٰ کرتا ہے جس کے متعلق کوئی عقلی وجہ موجود نہیں کہ وہ تحدی سے کیا جا سکے اور پھر وہ درست بھی ثابت ہو۔ لیکن آج کے زمانے کا انسان جب کامل تحقیق اور ہر قسم کی جستجو کے بعد ایک نتیجہ نکالتا ہے تو وہ بعینہٖ وہی نتیجہ نکالتا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج سے چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا تھا۔

جب آپ تحقیق کریں گے تو آپ کے سامنے دوسرا پہلو یہ آئے گا کہ جس باقاعدگی اور نظام کے ساتھ، جس تفصیل کے ساتھ اور جتنی زیادہ پابندیوں کے ساتھ مسلمانوں پر روزے فرض ہوئے ویسے کبھی کسی قوم پر فرض نہیں ہوئے۔ بائبل میں روزوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً دسویں محرم کے متعلق آتا ہے کہ یہ وہ دن تھا جب فرعون کے ظلموں سے بنی اسرائیل کو نجات دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں آتا ہے کہ اس دن کو یاد رکھو اور روزہ رکھو (احبار باب ۱۶: ۲۹۔۳۴)۔ لیکن روزوں کا پورا ایک مہینہ فرض ہونا پہلے کبھی کسی قوم میں نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں روزے کے متعلق جو تفصیلی ہدایات ہیں ان میں بھی بڑا فرق ہے۔ بعض پرانے مذاہب میں روزہ اس شکل میں ملتا ہے کہ آگ پہ پکی ہوئی چیز نہیں کھانی، پھل جتنا چاہو کھا لو، فلاں چیز نہیں کھانی اور فلاں نہیں کھانی، پانی پی سکتے ہو، دودھ پی سکتے ہو۔ تو یہ روزہ اسلامی روزے کے مقابل پر محض برائے نام اور سرسری سا روزہ بن جاتا ہے۔ پھر بعض مذاہب میں روزے کے ساتھ یہ بھی تاکید ہے کہ کام نہیں کرنا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کام کا بھی روزہ ہے۔ تو جس کو کام سے چھٹی مل جائے اس کا روزہ تو اور بھی آسان ہو جائے گا۔ یعنی بظاہر یہ ایسی پابندی ہے جو اسلامی روزے میں نہیں ہے۔ لیکن عملاً یہ پابندی نہیں ہے بلکہ رخصت لینے پر مجبور کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ کمزور ہو تم میں طاقت نہیں ہے کہ دنیا کے کام کرو اور ساتھ روزہ بھی رکھ سکو اور اس کا حق بھی ادا کر سکو، ایسے لوگ بعد میں آئیں گے جو یہ کام کر سکیں گے۔

پس آنحضرت ﷺ کو روزے کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے کامل بھی ہے اور زیادہ مشقت طلب بھی ہے لیکن اس کے باوجود یہ وضاحت کر دی گئی کہ مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اس کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی کہ جب انسان اسلامی روزے کی تعلیم پر غور کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ پہلے لوگوں پر اس کا عشر عشیر بھی فرض نہیں تھا اس لئے یہ وہم دل میں پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سختیوں سے خوش ہوتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ میرے بندوں پر بوجھ پڑے اور وہ تنگی محسوس کریں اور اس کے نتیجے میں محض تنگی اور محض تکلیف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب بن جاتی ہے؟ جیسا کہ بعض مذاہب میں یہ تصور پایا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ وضاحت فرماتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں۔ چنانچہ سہولتیں بھی دیتا چلا جاتا ہے اور پھر حکمتیں بھی بیان کرتا ہے کہ مقصد تقویٰ کو بڑھانا ہے۔ مراد مقصود زندگی عطا کرنا ہے سختی پیدا کرنا ہرگز مراد نہیں۔ یہ ضمنی چیز ہے۔ مقصود بالذات نہیں ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فرماتا ہے چند گنتی کے دن ہی تو ہیں۔ سارے سال میں سے صرف ایک مہینہ ہے۔ گویا موصی جو دسواں حصہ دیتا ہے اس سے بھی کم، البتہ اگر رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لیں تو پھر وصیت کا حق یعنی سال کا 1/10 بن جاتا ہے اور اس کا مضمون بھی پورا ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم پر یہ بہت معمولی بوجھ ہے اور جتنے فوائد ہیں ان کے مقابل پر یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ گنتی کے چند دن آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے دل میں خوف پیدا ہو رہا ہوتا ہے اور بعض لوگ ان دنوں سے یہ حسرتیں لے کر گزر رہے ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں اگلے سال پھر یہ دن دیکھنے نصیب بھی ہوں گے یا نہیں۔ مگر دونوں قسم کے لوگوں کے دن تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ سختی اور تنگی ترشی محسوس کرنے والوں کے دن بھی گزر جاتے ہیں اور دل میں حسرتیں لئے ہوئے لوگوں کے دن بھی گزر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہیں وہ روزے جو تم پر فرض کئے گئے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا قرآن کریم فرماتا ہے سختی کی خاطر فرض نہیں کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ تم پر سختی وارد کرنے سے خوش نہیں ہوتا فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ تم میں سے جو بیمار ہو یا مسافر ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ اس کے لئے فرض ہے کہ بعد کے دنوں میں روزوں کو پورا کرے۔ اس میں ایک سہولت دے دی گئی۔ سختی کے روزے مثلاً انتہائی گرمی کے روزے جواب آنے والے ہیں ان میں کوئی شخص اگر بیمار ہو جاتا ہے یا سفر پر ہوتا ہے، اس پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ضرور انہی دنوں میں گرمی

کی سختی میں روزے رکھے۔ اگر وہ بعد میں سردیوں کے آسان روزے بھی رکھ لیتا ہے تب بھی اس کا فرض پورا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سختی اللہ تعالیٰ کے پیش نظر نہیں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس پر بہت سی بحثیں اٹھائی گئی ہیں کہ يُطِيْقُوْنَهٗ سے کیا مراد ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس کے جو مختلف پہلو ہیں وہ ہر امکان پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ بعض مفسرین کے معنی ٹھیک ہیں اور دوسرے مفسرین کے غلط۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کے حالات میں دونوں قسم کے مواقع بلکہ کئی قسم کے ایسے مواقع پیدا ہوتے ہیں جن پر اس حصے کے مضمون کو پھیر کر منطبق کریں تو ہر موقع پر آیت چسپاں ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے تو يُطِيْقُوْنَهٗ کا مثبت ترجمہ ہے۔ یعنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں۔ فرمایا ہم رخصت تو تمہیں دے رہے ہیں۔ بیمار ہو یا سفر پر ہو تو بے شک بعد میں روزے پورے کر لو لیکن روزہ نہ رکھنے کا تمہیں جو غم لگ جائے گا کہ سارے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں اور ہم محروم رہ رہے ہیں، ہم تمہیں اس بوجھ کو ہلکا کرنے کی ایک ترکیب بتاتے ہیں کہ تم کسی غریب کو کھانا کھلا دیا کرو۔ اس سے تمہیں جو لذت حاصل ہوگی وہ اس غم کو کم کر دے گی کہ تم روزہ نہیں رکھ سکے۔ پس يُطِيْقُوْنَهٗ سے یہ مراد ہے کہ جن کو طاقت ہو، جن کے اندر استطاعت ہو کہ وہ غریب کو کھانا کھلا سکیں ان کے لئے بڑی سہولت ہے کہ وہ یہ کام کریں۔ اس طرح ان کا یہ غم کہ ہم روزے سے محروم رہ گئے کسی حد تک کم ہو جائے گا۔

لیکن اس ترجمے پر بعض دوسرے مفسرین کو اعتراض ہے کہ يُطِيْقُوْنَهٗ میں ضمیر فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ کی طرف پھیری گئی ہے لیکن اس کا ذکر بعد میں آ رہا ہے اور یہ اعلیٰ ادبی تقاضوں کے خلاف ہے کہ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ بعد میں آئے اور ضمیر اس کی طرف پہلے پھیر دیں اس لئے انہوں نے کہا کہ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ دوسرے ان کو یہ اعتراض بھی پیدا ہوا کہ اگر ''ہٗ'' کی ضمیر فِدْيَةٌ کی طرف پھیریں تو فدیہ تو مونث ہے لیکن ضمیر مذکر کی پھیری گئی ہے یعنی يُطِيْقُوْنَهٗ میں ''ہٗ'' مذکر کے لئے ہے اگر مونث کی طرف ضمیر پھیرنی ہو تو يُطِيْقُوْنَهَا چاہئے تھا۔

ان دونوں باتوں کا بہترین جواب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جہاں تک اول الذکر اعتراض کا تعلق ہے۔ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ نحوی لحاظ

سے باعتبار رتبہ کے مقدم ہے گویا فی الحقیقت مبتداء ہے جو بہر حال پہلے ہوتا ہے اور یہ متعلق خبر ہے۔ یہ عربی کی بحث ہے زیادہ تفصیل میں میں اس وقت نہیں جاؤں گا مگر مختصراً یہ کہ اس اعتراض کو انہوں نے یہ کہہ کر حل کر دیا کہ فِدْيَةٌ کا مقام باعتبار رتبے کے پہلا ہے کیونکہ متبداء کا اصل مقام ہمیشہ پہلے ہی ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ جملوں میں بعض قوانین کے تابع تقدیم تاخیر ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض رد ہو جاتا ہے اور فصاحت و بلاغت پر اس کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

دوسرے اعتراض کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اگر چہ لفظ فِدْيَةٌ مونث ہے مگر طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس کا بدل یعنی قائم مقام ہے جو مذکر ہے اور اصل مراد طعام مسکین ہے یعنی غریب کو کھانا کھلانا فِدْيَةٌ کا معنی ہوگا بطور فدیہ غریب کو کھانا کھلانا۔ پس چونکہ اصل طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مذکر کی ضمیر اس طرف پھیر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ایک تیسری وجہ جو انہوں نے بیان نہیں فرمائی وہ واضح ہے کہ اگر مونث کی ضمیر پھیری جاتی تو دوسرے معانی جو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا تھا وہ پیدا نہ ہو سکتے کیونکہ پھر ضمیر صیام کی طرف نہیں پھر سکتی تھی اور اس میں بھی ایک نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ فصاحت و بلاغت کا کمال ہے نہ کہ فصاحت و بلاغت سے گرنا کہ ضمیر کو اس طرح چنا گیا کہ بظاہر جو مونث ہے اس کی طرف بھی پھیری جا سکتی ہے اور جو مذکر ہے اس کی طرف بھی جاتی ہے اور مضمون میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے (الفوز الکبیر: صفحہ ۱۸) اگر یہ کہا جائے کہ يُطِيْقُوْنَهٗ سے مراد روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو اس سے تو مضمون الٹ پلٹ اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ تو بڑی واضح اور سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ يُطِيْقُوْنَهٗ سے مراد فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ہے اور خدا تعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ وہ لوگ جو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہوں ان کو ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ جن دنوں وہ روزہ نہ رکھ سکیں وہ غریبوں کو کھانا کھلائیں تا کہ ان کو تسکین ملے کہ وہ بھی کسی نہ کسی رنگ میں عبادت میں شامل ہیں۔ مگر اس کے کیا معنی ہوئے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ کھانا کھلائیں۔ جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں کا جواب تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ روزہ رکھیں نہ کہ دوسروں کو کھانا کھلا کر چھٹی کر جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے يُطِيْقُوْنَهٗ کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ جو طاقت نہ

رکھتے ہوں (بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء)۔ بعض مفسرین نے بھی یہی معنی کئے ہیں لیکن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوالہ دوں گا۔ یُطِیْقُوْنَہٗ ایک ایسا فعل ہے جس میں منفی معنی بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ باب افعال میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ بعض دفعہ وہ مثبت معنی دیتا ہے اور بعض دفعہ وہی باب منفی معنی بھی دے دیتا ہے۔ اس لحاظ سے جب یُطِیْقُوْنَہٗ میں ''ہٗ'' کی ضمیر صیام کی طرف پھیری جائے گی تو یہ مطلب بنے گا کہ وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ غریب کو کھانا کھلائیں۔

لیکن اس کا کیا مطلب ہے کہ جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے وہ غریب کو کھانا کھلائیں؟ کیونکہ جو طاقت نہیں رکھتے ان کو تو اللہ تعالیٰ چھٹی دے چکا ہے کہ وہ بعد میں روزے رکھیں۔ اس میں دراصل ایک اور مضمون پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعد میں ہر آدمی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو وقتی بیمار ہوتے ہیں۔ چند دن بیمار ہوئے پھر صحت ہوگئی اور ان کو یہ تسلی ہوگئی کہ ہم بعد میں روزے رکھ لیں گے اور دراصل ان کا روزہ رکھنا ہی پہلے روزوں کا فدیہ ہے۔ پھر مسافر ہوتے ہیں جن کو عارضی سفر لاحق ہے اس کے بعد وہ فارغ ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ بیمار ایسے ہوں گے جو دائم المرض ہیں یا عمر کے ایسے حصے کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ روزے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ وہ کیا کریں گے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے لئے بھی میں ایک تسلی کا سامان رکھتا ہوں۔ وہ یہ دکھ محسوس نہ کریں کہ اب ہم کبھی بھی روزہ نہیں رکھ سکیں گے۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلائیں اور اس طرح ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

سوال یہ ہے کہ روزے اور غریب کو کھانا کھلانے کا کیا تعلق ہے؟ وہ تعلق دراصل یہ ہے کہ روزے میں انسان خود غریب بنتا ہے اور غریب کا دکھ بانٹ رہا ہوتا ہے۔ پھر روزے کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ جب وہ غریب کو کھانا کھلاتا ہے تو اپنا سکھ اسے دے رہا ہوتا ہے۔ دونوں جگہ غریب کو فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے۔ پس روزے کے بے شمار فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے امراجن کو وافر اور کئی انواع کا کھانا میسر ہے وہ اگر روزہ نہ رکھیں تو ساری عمر ان کو پتہ ہی نہیں لگ سکتا کہ بھوکے پیٹ کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ شدید پیاس میں مبتلا انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ بھوکا ہو اور پھر کام کر رہا ہو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ امیر جان نہیں سکتا کہ بھوک بعض دفعہ کام پر مجبور کر رہی ہوتی ہے کیونکہ کام کے بغیر بھوک نہیں مٹتی۔ جتنا زیادہ کام کرتا ہے اتنی زیادہ بھوک بھڑکتی ہے۔ یہ سارے احساسات اور کیفیات

ایسی ہیں کہ جب تک کوئی ان میں سے نہ گزرے اس کو ان کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

دنیا کی باقی قوموں میں کوئی ایسا جبری نظام نہیں ہے کہ ہر امیر کو مجبور کر دیا جائے کہ کم از کم ایک مہینہ اپنے غریب بھائیوں کا دکھ محسوس کرو اور ان کا دکھ اپنے اوپر وارد کرو تا کہ تمہیں احساس ہو کہ معاشرہ کیا ہوتا ہے؟ اسلامی روزہ یہ احساس پیدا کرتا ہے جو روزہ رکھنے والے ہیں وہ جب کسی سے مزدوری لے رہے ہوتے ہیں تو ان کے دل کی اور کیفیت ہوتی ہے جو بے روزگار ہیں جن کو کوئی اندازہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے اور بھوک سے کام میں کیا مشکل پڑتی ہے ان کے دل کی اور کیفیت ہوتی ہے۔ اول الذکر یعنی جو روزہ رکھنے والے ہیں اور کام لے رہے ہوتے ہیں ان کے احساس کے نتیجے میں معاشرے میں بڑا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں انسانی قدریں آجاتی ہیں۔ غریب اور امیر میں دوری بڑھتی نہیں بلکہ فاصلے کم ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات وہ مزدوروں کو خود روکتے ہیں کہ ٹھہرو، ہم تمہیں پانی پلاتے ہیں، ہم تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، ایسی سہولتیں مہیا کرتے ہیں جو ان کے Contract یا معاہدے میں شامل نہیں ہوتیں۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کم از کم ایک مہینہ روزے کی ٹریننگ دے چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے دوری کی بجائے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے لیکن بعض ظالم ایسے ہیں (اور بڑی کثرت سے ایسے لوگ ملتے ہیں) جو مزدور سے کام لے رہے ہوتے ہیں اور ساتھ گالیاں بھی دے رہے ہوتے ہیں کہ تم سے چلا نہیں جاتا، دوڑو، تیزی سے کام کرو، اپنا وقت پورا کرو۔ حالانکہ اس غریب کے پیٹ میں روٹی نہیں ہوتی۔ کمزوری محسوس ہو رہی ہوتی ہے۔ گرمی میں اور سردی میں اس کی جان نکل رہی ہوتی ہے اور یہ ظالم پوری طرح بے حس اور بے تعلق ہو کر مزدوروں سے زبردستی کام لے رہے ہوتے ہیں گویا وہ کسی دوسری دنیا کی مشین ہیں۔

پس انسانی قدروں کو بڑھانے کے لئے روزہ ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔ روزہ نام ہے غریب کے ساتھ دکھ بانٹنے کا۔ جب آپ مجبوراً دکھ نہیں بانٹ سکتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر سکھ بانٹو۔ اپنے سکھ غریبوں کو دو اور اس طرح ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ جو نعمتیں تمہیں ملی ہیں وہ ان کو بھی عطا کرو۔ چنانچہ فدیے میں یہ روح رکھی کہ ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق فدیہ دے۔ فدیہ جس کو دینا ہے اس کی حیثیت کے مطابق نہیں دینا۔ اس فلسفے کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر بڑا نمایاں کر دیا ہے کہ

یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس غریب کو تو ایک روٹی اور پیاز کافی ہے اس لئے میں ایک روٹی اور پیاز دے دوں گا اور میرا فدیہ پورا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ سکھ تو نہ بانٹا گیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے سکھوں میں غریبوں کو شریک کرو اگر تم اپنے لئے اعلیٰ نعمتیں استعمال کرو اور نہایت اونچی قسم کے کھانے کھاؤ تو فدیہ تب ہوگا جب غریبوں کو بھی ویسا ہی کھانا کھلاؤ تا کہ ان کو بھی اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا کیا نعمتیں دی ہوئی ہیں ان کو بھی اپنے ساتھ شریک کریں۔ سارا سال نہ سہی ایک مہینہ ہی وہ تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ پس بہت سے جو مصالح ہیں ان میں سے یہ ایک دو مصالح ہیں جن کا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ میں ذکر ہے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ فدیہ ان پر فرض ہوگا جو روزہ نہیں رکھ سکتے۔ عَلَى الَّذِيْنَ میں جو فرض کے معنی پائے جاتے ہیں ان کا تعلق يُطِيْقُوْنَهٗ کے منفی معنوں کے ساتھ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو روزے کی طاقت سے مستقلاً محروم ہو چکے ہیں ان کو لازماً فدیہ دے کر روزے کا حق ادا کرنے کا ایک اور طریق اختیار کرنا چاہئے اور یہ ان پر لازم ہے جن کے اندر فدیہ دینے کی طاقت ہے۔ اگر اتنا غریب ہے کہ اپنے لئے بھی کھانا میسر نہیں تو اس کو اللہ تعالیٰ مستغنی فرما دیتا ہے۔ اس آیت میں یہ دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔ اب فرمایا کہ ہم جانتے ہیں ہمارے بندوں میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو بعد میں روزہ رکھ بھی سکتے ہوں تب بھی ان کو بے قراری ہوگی کہ ہم کیوں محروم رہ رہے ہیں۔ فرمایا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ایسی اطاعت کی روح رکھنے والے جو اطاعت کی روح میں درجہ کمال رکھتے ہیں، خدمت کے کاموں میں پیش پیش ہیں اور دین کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں، اگر وہ اپنی طرف سے فدیہ دینا چاہیں تو ان کے لئے منع تو نہیں ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ روزے کی طاقت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ جب وہ روزہ چھوڑیں تو فدیہ دیں۔ اس طرح ہم ان کو اس لذت میں شریک کر لیتے ہیں فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ اور یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوگا یعنی ساتھ فدیے کا طوعی نظام بھی جاری فرما دیا۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو جھنجھوڑا ہے۔ بہت سے بیمار ایسے ہیں جو دل کے بھی بیمار ہوتے ہیں۔ بہت سے بیمار ایسے ہوتے ہیں جو جسم سے زیادہ روح کے بیمار ہوتے ہیں ان کو روزہ چھوڑنے کا بہانہ چاہئے۔ ان کو

چھینک آ جائے تو وہ سمجھتے ہیں روزہ چھوڑ دینا چاہئے۔ ان کی طبیعت ذرا اداس ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں بیمار ہو گئے ہیں، روزہ چھوڑ دینا چاہئے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ چھوڑ دینے کی جو اجازت ہے وہ تمہارے لئے نقصان کا سودا ہے فائدے کا سودا نہیں ہے۔ تمہاری مجبوریوں کو پیش نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو روزہ رکھتا ہے وہ اس آدمی کی نسبت بہت بہتر ہے جو مجبوراً روزہ چھوڑتا ہے اس لئے عقل سے کام لینا اور اپنے فائدے کے خلاف کوئی فعل نہ کرنا۔ اپنے نفس کے خلاف فیصلہ نہ کر دینا کہ بظاہر تم آسانی میں پڑ رہے ہو لیکن حقیقت میں بہت بڑا گھاٹا کھا رہے ہو۔

وقت کی رعایت سے اس وقت میں درمیانی حصے کو ترک کر رہا ہوں اور آخری حصہ جو مدعا اور مقصود اور مطلوب ہے روزوں کا اس کو بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کہ جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ میں کہاں ہوں اور مجھے کیسے پایا جا سکتا ہے؟ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ تو تیرے جواب دینے سے پہلے ہم ان کو بتا رہے ہیں کہ میں ان کے قریب ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اے رسولؐ! تو ان سے کہہ دے کہ میں قریب ہوں بلکہ فرمایا میں خود کہتا ہوں کہ میں قریب ہوں اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ میں ان کی دعوت کا جواب دیتا ہوں، ان کی پکار کو سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں لیکن یہ یکطرفہ راستہ نہیں ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں گویا اللہ تعالیٰ ان کا نوکر بن گیا ہے کہ وہ حکم دیتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ منظور کرتا چلا جائے گا۔ فرمایا یہ تعلق کا دوطرفہ رستہ ہے۔ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وہ میری باتوں کا بھی جواب دیا کریں اور ان کے فوائد کی خاطر جو نصیحتیں میں ان کو کرتا ہوں ان پر عمل کیا کریں، تب یہ رشتہ چلے گا اور یہ نصیحتیں وہ ہیں جو اس سے پہلے روزے کے متعلق کی جا چکی ہیں۔

الغرض روزے کا اللہ تعالیٰ خود جواب ہے وہ خود اس کا پھل ہے اور اسی پھل کی طرف مذکورہ بالا آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا اگر تم مجھے ڈھونڈتے ہو تو روزے کی عبادت اختیار کرو یہ کامل عبادت ہے۔ اس عبادت کے بعد تم سب سے اعلیٰ جنتیں حاصل کر لو گے اور وہ میری رضا کی جنتیں ہیں۔ دنیا میں کوئی عبادت بھی ایسی متصور نہیں ہو سکتی جو ساری عبادتوں کی جامع ہو سوائے روزے کے۔ اس میں ہر چیز آ جاتی ہے۔ بدنی، جسمانی، جذباتی، روحانی غرض عبادت کا کوئی پہلو ایسا نہیں

ہے جو روزے میں نہ آتا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود روزے کا مقصود بن جاتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث تو بکثرت ملتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس طرف کہاں اشارہ ہے؟ سو اول تو یہاں، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، روزے کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا گیا ہے، روزوں کے حکم کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو رکھ دیا۔ فرمایا اگر روزے رکھو گے تو میں تمہارے قریب آجاؤں گا، اگر عبادتوں کا حق ادا کرو گے تو میں تمہارے پاس ہوں گا لیکن اس سے پہلے جو آیات گزری ہیں ان میں بھی اس مضمون کو بڑے عجیب طریق پر بیان فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ اس پر بہت سے علماء نے بحث اٹھائی کہ قرآن کریم کا آغاز تو ہو سکتا ہے رمضان شریف میں ہوا ہو لیکن یہ کہنا کہ رمضان میں ہی قرآن اتارا گیا، درست نہیں ہے۔ قرآن کریم تو نبوت کے سالوں میں مختلف وقتوں میں اترتا رہا ہے۔ اس کا جواب بعض مفسرین نے یہ دیا کہ اصل بات یہ ہے کہ رمضان میں ایک دفعہ پورے کا پورا قرآن نازل ہو جایا کرتا تھا جبکہ سال کے باقی حصے میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ پس اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ سے مراد یہ ہوگی کہ آنحضور ﷺ کو جبرائیل رمضان شریف میں قرآن دہرایا کرتا تھا یہاں تک کہ جب قرآن مکمل ہو گیا تو پھر جو رمضان آیا ہوگا اس میں لازماً سارا قرآن ایک دفعہ اتر گیا۔

یہ معنی بھی درست ہیں۔ ان کو غلط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے بطون ہیں مگر حضرت مصلح موعودؓ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے بارے میں گویا سارا قرآن اتارا گیا ہے۔ یعنی قرآن شریف کیوں اتارا گیا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ رمضان شریف کے متعلق اتارا گیا ہے (تفسیر کبیر جلد دوم از افاضات حضرت مصلح موعود صفحہ ۳۹۴۔ زیر آیت شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن)۔ اب بظاہر تو قرآن شریف بہت زیادہ وسیع ہے اور رمضان کے جو احکامات ہیں وہ محدود ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ تجزیہ کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ قرآن کریم جس جس مقصد کی خاطر اتارا گیا ہے وہ سارے مقاصد رمضان شریف میں پورے ہو جاتے ہیں۔ ایک بھی مقصد بلکہ اس کا ایک ذرہ بھی رمضان شریف سے باہر نہیں رہ جاتا۔ عبادت کی جتنی بھی قسمیں بیان ہوئی ہیں وہ ساری روزوں کے اندر آجاتی ہیں۔ خدمت خلق کی جتنی قسمیں بیان ہو سکتی ہیں وہ

ساری روزہ کے اندر آجاتی ہیں۔ روزہ ہمدردی کی انتہا بھی سکھاتا ہے اور خشوع وخضوع کا کمال بھی انسان کو عطا کرتا ہے، عجز کی راہیں بھی بتاتا ہے اور غریبوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ شامل کرنے کے طریق بھی انسان کو سکھاتا ہے۔ غرضیکہ قرآن کریم کی ساری تعلیمات کا خلاصہ رمضان شریف ہے اور جو شخص رمضان میں سے سر جھکاتے ہوئے اور اس دروازے سے کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رنگ اختیار کرتے ہوئے گزرے گا گویا اس نے قرآنی تعلیمات کا سارا پھل پالیا اور جو کچھ بھی قرآن لے کر آیا تھا وہ سارا اس کے نصیب میں آگیا۔

اس تشریح کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہم احادیث نبوی پر غور کرتے ہیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بھی بات اپنی طرف سے نہیں کی۔ آپؐ نے روزے کی تمام خوبیاں جو بیان فرمائی ہیں وہ مبنی بر قرآن بیان فرمائی ہیں۔ آپؐ نے بعض اور آیات سے بھی استنباط فرمایا ہوگا۔ لیکن اس آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ سے تو بڑا واضح استنباط فرمایا کیونکہ وہی مضمون بیان فرماتے ہیں جو اس میں بیان ہوا ہے کہ قرآن کریم کا مقصود رمضان ہے قرآن کریم کے سارے پھل رمضان سے وابستہ ہو چکے ہیں اس لئے گویا سارا قرآن رمضان کے بارے میں اتارا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ساری خوبیاں جو عبادت کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہیں آنحضرت ﷺ نے رمضان کی طرف منسوب فرمائیں۔ فرمایا باقی ساری عبادتیں ایسی ہیں جن میں بندے کے اغراض کا بھی دخل ممکن ہے مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو خالصۃً اللہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ رمضان کے روزوں کو کلیۃً اپنا کہتا ہے کہ یہ میرے ہیں اور فرماتا ہے کہ باقی نیکیوں کی جزا تو مختلف قسم کی جنتیں ہیں مگر رمضان کی جزا میں خود ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم) پس قرآن کریم کا سب سے اعلیٰ مقصد یعنی اللہ کو پالینا، یہ رمضان کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ کے اور بہت سے انداز ہیں رمضان کی خوبیاں بیان فرمانے کے، لیکن اب وقت نہیں ہے وہ انشاء اللہ بعد میں کسی وقت بتاؤں گا۔

اس وقت یہی کافی ہے کہ رمضان شریف تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے، رمضان شریف تمام عبادتوں کا ارتقا ہے، رمضان شریف انسان کو اس مقصد کی طرف لے کر جاتا ہے جس کی خاطر انسان پیدا کیا گیا ہے، یہ انسان کو بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے میں بھی درجہ کمال تک پہنچاتا ہے اور اللہ

کے حقوق ادا کرنے میں بھی درجہ کمال تک پہنچتا تا ہے۔اس کے باوجود بڑے ہی بدقسمت ہوں گے وہ لوگ جو رمضان کو پائیں اور خالی ہاتھ اس میں سے نکل جائیں۔رمضان کی برکتوں میں سے ہو کے نکلیں لیکن یہ پانی ان کو نہ چھوئے اور چکنے گھڑے کی طرح ویسے کے ویسے وہاں سے آگے چلے جائیں۔یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ایسی بدقسمتی ہے کہ آپ کروڑوں مسکینوں کو بھی کھانا کھلا دیں تو بھی یہ نیکی اس نعمت کی محرومی کا بدلہ نہیں ہوسکتی اس لئے ہر وہ احمدی جو استطاعت رکھتا ہے اور اپنے نفس کا تجزیہ کر کے جانتا ہے کہ وہ بیمار نہیں ہے بلکہ صرف کمزوری محسوس کر رہا ہے،اس کو لازماً آگے بڑھنا چاہئے اور روزے رکھنے چاہئیں۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ چند گنتی کے دن ہیں۔اس کی سختیوں کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ کب گزر گئیں۔اور سختیاں ایسی ہیں جو انسان کے بدن کو ہلکا کرتی چلی جاتی ہیں۔جسم بھی ہلکے ہوتے چلے جاتے ہیں،روح بھی ہلکی ہوتی چلی جاتی ہے اور انسان زیادہ تیزی کے ساتھ آگے قدم بڑھاتا ہے۔ رمضان کے بعد ہر روزہ رکھنے والا یہ جانتا اور محسوس کرتا ہے کہ اگر اس نے روزہ نہ رکھا ہوتا تو پتہ نہیں وہ کس ذلت میں پڑا ہوا ہوتا۔رمضان شریف بے انتہا کمزوریاں دور کر جاتا ہے اور بے انتہا نعمتیں عطا فرما دیتا ہے۔روزے میں سے گزرنے کے بعد جس طرح ہلکے پھلکے بدن کے ساتھ انسان قدم اٹھاتا ہے روزہ نہ رکھنے والے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔پھر کھانے کا مزا آتا ہے، پینے کا مزا آتا ہے یعنی روحانی لذتیں تو الگ رہیں مادی لحاظ سے بھی رمضان میں سے گزرے بغیر اور اس کا حق ادا کئے بغیر انسان کو یہ اندازہ بھی نہیں ہوسکتا کہ پانی میں کیا لذت ہے اور کھانے میں کیا لذت ہے؟ روزہ دار کو صبح شام تھوڑا سا اس کا اندازہ ہوتا ہے لیکن رمضان کے بعد کہ جب چاہو، جو چاہو پی لو، جو چاہو کھا لو، یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں کہ بڑی ناشکری ہے جو ہم شکر کئے بغیر ان سے گزرتے ہیں۔اس لئے سچے شکر کی تعلیم بھی رمضان شریف دیتا ہے۔ایک ایک گھونٹ پر اللہ کے احسانات یاد آتے ہیں اور جو پانی پینے کی مادی لذت میں نے بتائی ہے وہ اس روحانی لذت کے مقابل پر کچھ بھی نہیں رہتی جو مومن کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ پانی سے جسم کی پیاس بجھاتا ہے تو اس کی روح کی پیاس بھی ساتھ بجھ رہی ہوتی ہے۔وہ کہتا ہے شکر ہے خدا کو دوبارہ یاد کرنے کا موقع میسر آ گیا۔اگر میں دو تین رمضان اسی طرح گزر جاتا تو پانی پینا اپنا حق سمجھ لیتا۔خیال

بھی نہ آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پھر ہر گھونٹ پر خدا کی نعمتیں یاد آتی ہیں، اس کے احسانوں کا تصور دل کو مغلوب کر لیتا ہے اور روح اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ پس رمضان شریف کے بے انتہا فوائد ہیں۔ آپ سر جھکاتے ہوئے اس رمضان سے گزریں اپنی روح کو بھی اور اپنے جسم کو بھی خدا کے حضور پیش کر دیں۔ پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کے کیسے فضل نازل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں فرماتا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ یہ لوگ جو میری عبادت کا حق ادا کرتے ہیں یہ تجھ سے میرے متعلق پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں میں ان کے قریب ہوں۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ میرے حقوق وہ ضرور ادا کریں کیونکہ میرے حقوق ادا کرنے کے نتیجے میں میں ان کو ملوں گا ورنہ یہ تعلق کا یکطرفہ رستہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم رمضان کا حق ادا کرتے ہوئے اس کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فوائد اٹھائیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اس رمضان کو اس طرح ضائع نہ کر دیں جس طرح اس سے پہلے بعض قوموں نے روزوں کو ضائع کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مِنْ قَبْلِكُمْ فرمایا تو اس میں یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ تم سے پہلے بھی روزے فرض ہوئے تھے۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ تھے جنہوں نے روزوں سے فائدہ اٹھایا لیکن جب ان کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تمہیں یہ بھی محسوس ہوگا کہ بہت سے ایسے بد بخت اور بدقسمت بھی تھے جنہوں نے فائدے کی بجائے نقصان اٹھایا۔ انہوں نے بھی روزے پائے لیکن ایسے گندے حال میں پائے کہ وہ روزے ان کی عاقبت سنوارنے کی بجائے ان کو دین و دنیا سے محروم کر گئے۔ ان کا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ پس ان لوگوں کی طرح روزے نہ رکھنا۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور مومن کو ان کے سے افعال سے روکا ہے کہ دیکھو! یہ نہ کرنا، وہ نہ کرنا، جھگڑا نہیں کرنا، فساد نہیں کرنا، شہوات سے مغلوب نہیں ہونا، دکھاوا نہیں کرنا، ہر بدی سے رکنا ہے، ہر ظلم کو صبر سے برداشت کرنا ہے، کچھ لوگ تم پر زیادتیاں کریں گے۔ فرمایا ان کو ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ کہو اِنِّیْ صَائِمٌ کہ میں روزے دار ہوں (صحیح بخاری کتاب الصوم باب وجوب فضل الصوم)۔ دو دفعہ کہنے میں کیا حکمت ہے؟ وہ حکمت یہ ہے کہ مومن کی تو عام شان بھی یہ ہے کہ وہ ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں دیتا اور جب جاہل اس سے مخاطب ہوتا ہے تو جواب میں جاہلانہ

باتیں نہیں کرتا بلکہ سلام کہتا ہے اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۴﴾ (الفرقان: ۶۴) پس ایسا مومن جس کی عام شان یہ ہو اگر وہ روزے دار بھی ہو تو تکرار سے بتائے کہ او بے وقوفو! تم مجھ سے کیا توقع رکھ رہے ہو؟ کیا تمہاری اشتعال انگیزی سے میں مشتعل ہو جاؤں گا؟ ہرگز نہیں میں تو عام حالات میں بھی سلام ہی کہا کرتا تھا۔ اب تو میں روزے دار ہوں، روزے دار ہوں، ممکن نہیں ہے کہ تم مجھ سے بے صبری کا مظاہرہ دیکھو۔

پس جہاں کچھ بدقسمت اپنے روزوں کو ضائع کر رہے ہوں گے وہاں آپ کے لئے اور بھی زیادہ ثواب کا موقع ہوگا۔ آپ صبر اور حوصلے اور ہمت اور دعاؤں کے ساتھ اس رمضان کو گزاریں پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کے کیسے فضل آپ پر نازل ہوتے ہیں۔ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی وہ لوگ جنہوں نے روزے ضائع کر دیئے ان کی مثال میں بائیبل سے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت یسعیاہ کی یہ نصیحت بائیبل میں درج ہے کہ:

> ''دیکھو تم اس مقصد سے روزہ رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت کے مکے مارو۔ پس اب تم اس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری آواز عالم بالا پر سنی جائے''۔ (یسعیاہ باب ۵۸ آیت: ۴)

یعنی ایسے بد بخت انسان ہو کہ کوئی وقت تھا کہ تم روزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے رحم کو جذب کیا کرتے تھے اور بنی نوع انسان کے حقوق ادا کیا کرتے تھے اور جھگڑوں سے روکا کرتے تھے۔ اب یہی رمضان آتا ہے تو تمہیں اور زیادہ اشتعال انگیزیوں پر مجبور کر دیتا ہے۔ تم طیش میں آکر مکے مارتے ہو اور کہتے ہو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے ظلم سے اور ہمارے ستم اور استبداد سے کون بچ کے نکلے گا؟ عام حالات میں بھی ہم بڑے جابر تھے۔ اب تو رمضان کی سختیاں آگئی ہیں۔ اب تو روزے آگئے ہیں۔ اب دیکھیں گے کون ہم سے بچ کے نکلتا ہے۔

حضرت یسعیاہ یہود سے فرماتے ہیں کہ تم یہ حرکتیں کر رہے ہو۔ گویا یہود کی جو حالت گزر چکی ہے اور جس کے ایک پہلو کی طرف قرآن کریم مِنْ قَبْلِكُمْ میں اشارہ کرتا ہے، بائیبل میں یہ اس کی تفصیل ہے کہ:

> ''دیکھو تم اس مقصد سے روزہ رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت

کے مکے مارو۔ پس اب تم اس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری آواز عالم بالا پر سنی جائے''۔

فرماتے ہیں تم بڑے بد بخت ہو۔ کبھی تمہارے روزے ایسے ہوا کرتے تھے کہ اتنی ہلکی اور خفی آوازوں میں تم خدا کو یاد کیا کرتے تھے کہ بظاہر انسان ان آوازوں کو نہیں سن رہے ہوتے تھے۔ لیکن ان آوازوں میں ایسی قوت پرواز تھی کہ وہ آوازیں عالم بالا پر پہنچا کرتی تھیں اور آج تم نے شور برپا کیا ہوا ہے اور وہ آوازیں زمین سے چمٹی ہوئی ہیں اور زمین کی ہو چکی ہیں۔ ان میں قوت پرواز نہیں رہی۔ تمہارے منہ سے جھاگ نکل رہی ہے اور طیش میں آکر مکے مار رہے ہو۔ لیکن ان آوازوں کے مقدر میں پرواز نہیں لکھی گئی۔ ہاں کچھ وہ تھیں گریہ وزاری کی آوازیں جو عالم بالا پر سنی جاتی تھیں۔ کیسا پیارا موازنہ کیا ہے۔

پس اے احمدیو! تم ہمیشہ ایسی آوازیں اپنے دلوں سے نکالو جو عالم بالا پر سنی جائیں اور زمین والوں کے کان ان سے محروم ہوں تو کوئی پرواہ نہ کرو۔ وہی آواز دنیا میں پھیلے گی جس کو خدا سنتا ہے اور پھر خدا کے فرشتے اس کو دنیا میں پھیلا دیا کرتے ہیں۔ ایسی آوازیں غالب آنے کے لئے بنائی گئی ہیں، مغلوب آنے کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ / جون ۱۹۸۳ء)